امام ابن جَرِیرطَبَریؒ اوران کی تفسیر کا جائزہ

تحریر: پروفیسر ڈاکٹر صلاح الدین ثانی
قائد ملت گورنمنٹ ڈگری کالج لیاقت آباد' کراچی

نام ونسب: آپ کی کنیت ابوجعفر، نام محمد، باپ کا نام جریر، دادا کا نام یزید اور پردادا کا نام کثیر بن غالب ہے(۱) علاقائی نسبت طبری ہے(۲) لیکن کبھی طبری کی جگہ آلاملی نسبت بھی لکھی جاتی ہے اس لئے کہ ''آملی'' قصبہ میں پیدا ہوئے جو کہ طبرستان میں واقع ہے(۳) لہٰذا دونوں نسبتیں صحیح ہیں جہاں تک آپ کے نسب نامہ کا تعلق ہے، تو ابوبکر خطیب بغدادی کی رائے کے مطابق آپ کا نام ونسب ابوجعفر محمد بن جریر بن یزید بن کثیر بن غالب الطبری ہے۔(۴)

یاقوت حموی لکھتے ہیں ایک روز کسی شخص نے ابن جریر سے ان کے نسب کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے جواب میں کہا۔ ''محمد بن جریر'' سائل نے کہا ''ہمیں اپنے نسب سے متعلق مزید کچھ بتایئے''۔اس پر ابن جریرؒ نے مشہور رجز گو شاعر رؤبہ کا یہ شعر پڑھ کر سنادیا:

قَدْ رَفَعَ الْعَجاَّجِ ذِكْرِیْ فَادْ عُنِیْ . بِاسْمِیْ اِذَا الْاَ نْسَابُ طَالَتْ یَكْفِنِیْ (۵)

ترجمہ: عالم انساب تو میرا ذکر دور تک لے گیا ہے تم مجھے میرے نام ہی سے پکارو جب نسب طویل ہو جائیں تو مجھے یہی کافی ہے۔

امام طبریؒ نے ساری زندگی شادی نہیں کی اس لئے کوئی اولاد بھی نہیں تھی لیکن سنت نبوی کی (٦) اتباع میں اپنے نام کے ساتھ ابوجعفر کنیت استعمال کرتے تھے۔

ولادت: ابن جریر کے سن ولادت کے بارے میں ان کے تذکرہ نگاروں میں کچھ اختلاف پایا جاتا ہے کسی نے ۲۲۴ھ مطابق ۸۳۹ء اور کسی نے ۲۲۵ھ مطابق ۸۴۰ء تحریر کیا ہے۔(۷)

ابوبکر خطیب بغدادیؒ نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ وہ ۲۲۴ھ کے آخر یا ۲۲۵ھ کے آغاز میں پیدا ہوئے۔(۸) یاقوت حموی نے بھی اپنی کتاب میں اسی روایت کو نقل کیا ہے۔(۹) انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا میں 838ء دیا گیا ہے اور ایم جی ڈی خوئے (M.G.DeGoege) نے بھی اپنی کتاب (AnnaLisof Tabari) میں 838ء عیسوی ہی لکھا ہے۔ابن جریر کے ایک مشہور شاگرد قاضی ابوبکر بن کامل کہتے ہیں کہ میں نے ابن جریر سے ان کے سن ولادت کے اس اختلاف کے سلسلے میں دریافت کیا کہ آپ کو اس کے بارے میں شک کیونکر ہوا؟ تو انہوں نے کہا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے اہل شہر سالوں کی بجائے مشہور

واقعات کی مدد سے تاریخ منضبط کرتے ہیں، میری تاریخ پیدائش بھی ایک واقعہ سے وابستہ ہے جوان دنوں ہمارے شہر میں پیش آیا تھا۔ پھر جب میں بڑا ہوا تو میں نے اس واقعہ کے بارے میں دریافت کیا۔ اس پر بعضوں نے کہا کہ وہ واقعہ 224ھ کے آخر میں ہوا تھا اور کچھ نے کہا کہ وہ 225ھ کے آغاز میں پیش آیا تھا۔ (۱۰) ابن جریر کے مولد ومنشا بننے کا فخر وشرف آمل کی سرزمین کو حاصل ہوا۔ (۱۱) آمل طبرستان کا ایک مشہور شہر ہے یہ شہر شمالی ایران میں واقع ہے یاقوت حموی اور خطیب بغدادی نے ابن کامل کی روایت سے انکے مقام پیدائش کے بارے میں لکھا ہے۔ کہ ان کا مقام ولادت آمل ہے اور یہ طبرستان کا دارالحکومت تھا۔ قاضی ابن خلکان نے بھی وفیات الاعیان میں آمل (طبرستان) ہی لکھا ہے۔ انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا میں Tbaristan TAMUL) تحریر ہے۔ ابن جریر کی علاقائی نسبت، طبری، کی وجہ تسمیہ کے سلسلہ میں خود ان ہی کی زبانی ایک دلچسپ حکایت مذکور ہے، ابو جعفر نے کہا۔ میں ایک بار ابو حاتم سجستانی کے پاس آیا ان کے پاس قیاس کے بارے میں ایک حدیث تھی میں نے ان سے اس حدیث کے سلسلے میں استفسار کیا تو انہوں نے مجھے وہ حدیث بتادی پھر وہ مجھ سے پوچھنے لگے تم کس علاقے سے آئے ہو؟ میں نے کہا طبرستان سے آیا ہوں وہ کہنے لگے اس علاقے کا نام طبرستان کیوں ہے؟ میں نے جواب دیا مجھے اس بارے میں معلوم نہیں انہوں نے کہا جب یہ علاقہ فتح ہوا اور اس میں عمارات بننے لگیں تو اس زمین پر بے شمار درخت تھے چنانچہ ان دختوں کو کاٹنے کیلئے کسی چیز کی ضرورت پڑی، اس پر لوگ طبر (کلہاڑی سے ملتا جلتا ایک آلہ) لے آئے۔ جس سے درخت کاٹے جاتے تھے۔ اس علاقے کا نام اسی مناسبت سے طبرستان، مشہور ہوگیا۔ (۱۲)

تعلیم وتربیت: ابن جریر کے بچپن کے بارے میں جو کچھ معلومات موجود ہیں وہ ابو بکر بن کامل کی ایک روایت سے ابن جریر کی اپنی زبانی سنئے۔ ابو بکر بن کامل کہتے ہیں میرا بیٹا ابو رفاعہ تھا۔ جو اس وقت سخت علیل تھا۔ ابو جعفر نے اس کو دیکھ کر مجھ سے کہا کیا یہ تمہارا بیٹا ہے میں نے کہا ہاں۔ ابو جعفر کہنے لگے کہ اسکا نام کیا ہے؟ میں نے کہا، عبدالغنی، انہوں نے فرمایا، خدا اس کو غنی (بے نیاز) کرے۔ تم نے اس کی کنیت کیا مقرر کی ہے؟ میں نے کہا، ابو رعافہ۔ انہوں نے فرمایا خدا اس کو رفعت عطا کرے۔ کیا اس کے علاوہ تمہارا اور بھی کوئی بیٹا ہے؟ میں نے کہا، ہاں وہ اس سے چھوٹا ہے، انہوں نے کہا، اس کا نام کیا ہے؟ میں نے کہا، عبدالوہاب، ابو یعلی، یہ سن کر فرمانے لگے، خدا اس کو عالی قدر بنائے۔ تم نے تو نام اور کنیتیں چن لی ہیں، پھر مجھ سے دریافت کرنے لگے، اس لڑکے کی عمر کتنی ہے؟ میں نے کہا، نو سال فرمانے لگے تم نے اس کو میرے پاس حدیث کی سماعت کیلئے کیوں نہیں بھیجا؟ میں نے کہا مجھے اس کے بچپن اور قلت ادب کا

ندیشہ تھا اس پر انہوں نے بتایا۔ میں جب سات برس کا تھا تو میں نے قرآن حفظ کر لیا تھا۔ جب آٹھ برس کا ہوا تھا تو میں نے لوگوں کو نماز پڑھائی اور جب نو برس کا ہو گیا تو میں نے حدیث کی کتابت کا آغاز کر دیا تھا،

میرے باپ نے خواب میں دیکھا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حاضر ہوں اور میرے پاس سنگریزوں سے بھرا ہوا ایک تھیلا ہے اور میں ان سنگریزوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ڈال رہا ہوں۔ اس پر تعبیر دان نے بتایا کہ اگر یہ بچہ بڑا ہو گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کا خیر خواہ اور ان کی شریعت کا پاس بان ہوگا۔ اس کے بعد میرے والد کو میرے حصول علم کے سلسلے میں انتہائی خواہش پیدا ہوگئی تھی جب کہ میں ابھی چھوٹا سا بچہ تھا۔ (۱۳)

جیسا کہ آپ نے پڑھا ابن جریر نے اپنے شہر آمل میں قرآن حفظ کیا صرف سات سال کی عمر میں۔ قرآت بڑھی آٹھ سال کی عمر میں اور نویں سال میں حدیث لکھنا بھی سیکھ لیا (۱۴) اسی سے ان کی اعلیٰ تعلیم و تربیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

<u>حصول علم کے لئے مقام رےّ کا سفر</u>: ان کے سوانح نگاروں کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب وہ علم کی تلاش میں اپنے شہر سے نکلے تو ان کی عمر صرف بارہ برس تھی اور یہ واقعہ 236ھ کا ہے۔ (۱۵) ابن جریر طبری کے حصول علم سے متعلق ابوبکر بن کامل کی حسب ذیل روایت بہت حد تک معلومات افزا ہے۔ جسے یاقوت حموی نے معجم الادباء میں نقل کیا ہے۔ ''آغاز کار میں تو انہوں نے اپنے شہر ہی میں حدیث کا علم حاصل کیا۔ پھر اس مقصد کے لئے علاقہ رےّ (یہ ایران کے دارالحکومت تہران کے نزدیک جگہ) اور اس کے مضافات میں گئے اور وہاں کے اساتذہ و شیوخ سے علم میں اضافہ کیا (۱۶)

امام طبری لکھتے ہیں ''ہم محمد بن حمید الرازی کے پاس جا کر احادیث لکھا کرتے تھے وہ رات کو کئی بار ہمارے پاس تشریف لاتے اور جو کچھ ہم نے لکھا ہوتا، اس کے بارے میں ہم سے دریافت کرتے اور پھر ہمیں خود پڑھ کر سنایا کرتے تھے۔

ہم احمد بن حماد الدولابی کے پاس بھی جایا کرتے تھے۔ اور وہ رےّ کی بستیوں میں سے ایک بستی میں رہائش پزیر تھے ان کی رہائش گاہ اور رےّ کے درمیان ایک میدان تھا ہم یہاں سے احادیث لکھ کر فراغت کے بعد دیوانوں کی طرح بھاگتے یہاں تک کہ محمد بن حمید الرازی کے مکان تک پہنچ جاتے اور پھر ان کی مجلس میں شامل ہو جاتے تھے، (۱۷) طبری کی اپنی زبانی بیان کردہ اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے کس ذوق و شوق اور جہد و محنت سے علم حاصل کیا (۱۸) علم کی راہ میں ان کی تلاش و کوشش یہیں تک محدود نہیں تھی۔ بلکہ اس سلسلے میں ان کی ہمت و محنت بیشتر علاقوں کو محیط ہے۔ آپ نے یہاں

رہتے ہوئے فقہ کی تعلیم ابی مقاتل سے حاصل کی (۱۹)

بغداد کا سفر: ان دنوں مرکز خلافت بغداد میں امام احمد بن حنبلؒ کی علمی شہرت کا آفتاب نصف النہار پر تھا۔ ۲۴۱ھ میں جبکہ ابن جریر کی عمر ۱۸ یا ۱۹ سال تھی، امام موصوف کی خدمت میں حاضری کیلئے بغداد پہنچے لیکن مراد پوری نہ ہوئی آپ کی آمد سے چند روز قبل امام احمد بن حنبل وفات پا چکے تھے ابن جریر اہل سنت کے اس امام کی زیارت سے محروم رہ گئے یہاں آپ نے حدیث اور فقہ کی تعلیم حاصل کی جب ابن جریر پہلی بار بغداد پہنچے تو آپ کے پاس زاد سفر کے طور پر کچھ نقدی وغیرہ تھی جو چوری ہوگئی۔ اور آپ تنگ دستھو گئے۔ آپ نے اپنے استعمال کے کپڑے اور بعض دوسرا ضروری سامان بیچ کر وقت گذارنا شروع کیا کئی بار فاقہ کشی بھی کی۔ اسی حالت میں دن گذر رہے تھے کہ خلیفہ المتوکل کے وزیر ابوالحسن عبیداللہ بن یحیٰ ابن خاقان نے آپ کو اپنے بیٹے کا اتالیق مقرر کر دیا اسطرح ۱۸، ۱۹ سال کی عمر میں آپ نے وقت کے لحاظ سے خاصی کامیابی حاصل کر لی۔ چار پانچ سال تک آپ عبیداللہ بن یحیٰ کے بچوں کے استاذ رہے۔ اس عرصے میں سوائے معمولی تنخواہ کے کسی سے کوئی ہدیہ یا تحفہ قبول نہ کیا جب کسی نے پیش کش کی تو فرمایا مجھے معقول تنخواہ ملتی ہے اس لئے مزید کسی چیز کی حاجت نہیں تقریباً ۵ یا ۶ سال بغداد میں گذارے۔

بصرہ اور کوفہ کا سفر: بغداد سے حصول علم کے بعد بصرہ کا سفر کیا وہاں کے علماء سے حدیث کا علم حاصل کیا اس کے بعد واسط کے محدثین سے علم حدیث حاصل کیا پھر کوفہ گئے جہاں آپ نے علم قرآت سلیمان طلحی سے پڑھی (۲۰) و رابی کریب سے ایک لاکھ حدیثیں سنیں (۲۱)

مصر اور شام کا سفر: اتنے علمی سفروں کے باوجود پیاس نہ بجھی اس کے بعد امام ابن جریر طبری نے مصر کا رخ کیا۔ ان دنوں مصر میں امام شافعیؒ کے مقلدوں کی اکثریت تھی۔ آپ پندرہ سال تک مصر میں رہے۔ اور تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری رکھا۔ آپ نے مصر کے اہل علم حضرات سے استفادہ کیا پھر شام گئے شام میں عباس بن ولید سے شامی قرآت کی روایت سیکھی مصر میں قرات حمزہ اور ورش سیکھی (۲۲)

ایک مرتبہ محمد بن جریر الطبری، محمد بن اسحاق بن خزیمہ، محمد بن نصر المروزی اور محمد بن ہارون الرویانی (رویان نواح طبرستان میں ایک شہر ہے) مصر کے ایک سفر میں اکٹھے تھے۔ اچانک ان کا سامان خورد و نوش ختم ہوگیا اور انہیں اس کی سخت فکر ہوئی۔ کسی کے پاس کوئی ایسی چیز نہ تھی، جس پر وہ گزر اوقات کر سکتے۔ اس صورت حال نے ان کو سخت پریشان کیا وہ ایک رات اس مکان میں اکٹھے ہوئے جہاں وہ سب رہائش پزیر تھے اور انہوں نے اتفاق رائے سے یہ فیصلہ کیا کہ قرعہ اندازی کی جائے۔ پھر جس کے نام قرعہ فال نکلے، وہ اپنے اور اپنے ساتھیوں کے لئے لوگوں سے کھانا مانگ کر لائے جب قرعہ اندازی کی گئی تو اتفاق سے قرعہ محمد بن

اسحاق بن خزیمہ کے نام پر نکل آیا ہے۔اب فیصلے کے مطابق یہ فرض ان پر عائد ہوتا تھا کہ وہ لوگوں میں سے کسی کے پاس جا کر کھانا مانگ کر لائیں۔انہوں نے صورت حال دیکھ کر اپنے ساتھیوں سے کہا۔'' مجھے کچھ مہلت دیجئے کہ میں وضو کر کے نماز استخارہ ادا کرلوں'' ان کو اجازت مل گئی اور وہ نماز میں مشغول ہو گئے وہ ابھی نماز میں مصروف ہی تھے۔کہ مصر کے والی کی طرف سے کچھ مشعل بردار آئے اور ان میں سے ایک خواجہ سرا نے دروازے پر دستک دی۔انہوں نے دروازہ کھول دیا۔خواجہ سرا نے آتے ہی سوال کیا'' آپ میں سے محمد بن نصر کون ہیں؟ انہوں نے کہا'' یہ'' اور ان کی طرف اشارہ کیا خواجہ سرا نے ایک تھیلی نکالی جس میں پچاس دینار تھے۔اور ان کی طرف بڑھا دی۔پھر کہنے لگا'' آپ میں سے محمد بن جریر کون ہے؟'' انہوں نے ان کی طرف اشارہ کیا تو ان کی طرف بھی اس نے پچاس دینار بڑھائے۔پھر بولا'' آپ میں محمد بن ہارون کون ہیں؟ تو اسے بتایا گیا'' یہ'' اس نے ان کی طرف بھی ایسی ہی ایک تھیلی بڑھائی۔پھر کہنے لگا اور آپ میں سے محمد بن اسحاق بن خزیمہ کون ہیں؟ اسے کہا گیا۔وہ جو نماز پڑھ رہے ہیں۔پھر جب وہ اپنی نماز سے فارغ ہوئے تو اس نے ان کی طرف بھی تھیلی بڑھائی۔جس میں پچاس دینار تھے پھر اس خواجہ سرا نے بتایا کہ امیر دوپہر کو کھانے سے فارغ ہو کر آرام کر رہے تھے تو انہیں خواب میں ایک خیال یا صورت نظر آئی جو ان سے کہہ رہی تھی۔'' محامد (محمد نام کے چند آدمیوں) کی پسلیاں بھوک کے باعث بل کھا رہی ہیں''۔تو اس پر انہوں نے یہ دینار بھیجے ہیں اور وہ آپ کو قسم دیتے تھے کہ جب یہ دینار ختم ہو جائیں تو آپ کسی کو ان کے پاس بھیج دیں۔وہ آپ کو مزید کچھ بھیج دیں گے (۲۳)

مصر میں حصول علم کہ بعد شام کا سفر کیا اور 253ھ میں فسطاط آئے وہاں بھی محدثین سے علم حاصل کیا پندرہ سال مصر میں گذار کر دوبارہ بغداد آ گئے یہ ۲۹۰ھ کی بات ہے اور یہیں بغداد میں آخر دم ۳۱۰ھ تک قیام کیا۔(۲۴)

ابن جریر کے مشہور اساتذہ: ابن جریر نے ان علمی سفروں میں جن اساتذہ سے علم حاصل کیا ان کی تعداد بہت زیادہ ہے لیکن زیادہ مشہور یہ ہیں۔

(۱) محمد بن حمید الرازی	(۲) مثنی بن ابراہیم الاملی
(۳) محمد بن عبدالملک بن ابی الشوارب	(۴) اسحاق بن ابی اسرائیل
(۵) احمد بن مسیع البغوی	(۶) ابو ہمام ولید بن شجاع
(۷) ابو کریب محمد بن العلاء	(۸) یعقوب بن ابراہیم الدورقی
(۹) احمد بن حماد الدولابی	(۱۰) اسماعیل بن موسیٰ الغزاری
(۱۱) ابو سعید	(۱۲) عمر بن علی

(۱۳) محمد بن بشار
(۱۴) محمد بن المثنی
(۱۵) ہناد بن الری
(۱۶) یونس بن عبدالاعلی
(۱۷) ابو جریح
(۱۸) عباد بن یعقوب
(۱۹) عبداللہ بن اسماعیل السباری
(۲۰) بشر بن معاذ العقدی
(۲۱) ربیع بن سلیمان
(۲۲) حسن بن محمد الزعفرانی وغیرہم

ابن جریر کے مشہور شاگرد: ابن جریر طبری کے شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ ہے لیکن ان میں سے چند مشہور یہ ہیں۔

(۱) قاضی ابوبکر احمد بن کامل
(۲) عبدالعزیز بن محمد الطبری
(۳) محمد بن عبداللہ الشافعی
(۴) علی بن عبدالعزیز بن محمد الدولابی
(۵) ابوبکر محمد بن احمد بن محمد بن اشلج الکاتب
(۶) عبدالغفار الحسینی
(۷) ابوشعیب الحرانی
(۸) ابوعمرو ابن حمدان
(۹) مخلد بن جعفر
(۱۰) ابوالحسن احمد بن یحیٰ المنجم المعتکلم
(۱۱) ابوالحسن الدقیق
(۱۲) ابوالفرج المعافی بن زکریا النھروانی
(۱۳) ابوالقاسم ابن العراد
(۱۴) ابواسحاق ابراہیم بن حبیب السقلی وغیرہ (۲۵)

تصانیف: ابن جریر طبری نے سلدی زندگی حصول علم اور فروغ علم میں صرف کی اور تقریبا ۲۹/انتیس کتابیں تصنیف کیں (۲۶) جسمیں زیادہ اھم تاریخ طبری ہے جس کا پورا نام تاریخ الامم والملوک ہے یہ پہلے ۲۲ جلدوں پھر ۱۱ جلدوں میں شائع ہوئی ہے اس سے بھی زیادہ اھم تصنیف تفسیر طبری ہے جس کا پورا نام جامع البیان عن تاویل آی القرآن ہے پہلے ۳۰/جلدوں میں پھر ۱۲ جلدوں میں شائع ہوئی ہے تذکرہ نگار یاقوت حموی نے ایک حوالہ سے لکھا ہے اگر امام طبری کی بلوغت سے وفات تک کا زمانہ اور ان کی تصنیف کا موازنہ کیا جائے تو تقریبا ہر روز انہوں نے ۱۴ صفحات لکھے ہیں (۲۷)

سفر آخرت: امام محمد بن جریر کا ۸۶/سال کی عمر میں انتقال ہوا (۲۸) ابوبکر خطیب بغدادی کے قول کے مطابق ابن جریر ہفتہ کے روز ۲۶ شوال ۳۱۰ھ مطابق ۹۲۳ء میں فوت ہوئے اور اتوار کے دن صبح کے وقت رحبہ یعقوب کے ایک گھر میں دفن ہوئے۔ (۲۹) ایک اور روایت کے مطابق ان کو رات کے وقت دفن کیا گیا۔ خطیب بغدادی نے کہا ہے کہ ان کی وفات پر کسی شخص کو نہیں بلایا گیا۔ لیکن اس کے باوجود ان کے جنازے پر اس قدر لوگ جمع ہو گئے کہ خدا کے سوا کوئی ان کی تعداد کا احاطہ نہیں کرسکتا۔ ان کی قبر پر کئی ماہ تک شب و روز نماز جنازہ ہوتی رہی۔ (۳۰) اس کی تصدیق ابن کثیر سے بھی ہوتی ہے (۳۱)

معروف مؤرخ ابن خلکان نے لکھا ہے کہ وہ ہفتہ کے روز دن کے آخر میں فوت ہوئے اور ۲۶ شوال ۳۱۰ھ کو بغداد میں اپنے گھر کے اندر دفن کئے گئے۔ لیکن میں نے مصر میں ایک قبر دیکھی ہے۔ جو زیارت گاہ خاص و عام ہے اور اس کے سرہانے ایک پتھر کی سل پر لکھا ہوا ہے کہ یہ ابن جریر الطبری کی قبر ہے اور لوگ کہتے ہیں کہ یہ وہی صاحب تاریخ طبری ہیں لیکن یہ بات درست نہیں صحیح یہ ہے کہ ان کی قبر بغداد میں ہے۔ (۳۲)

تفسیر طبری کا جائزہ

تفسیر لکھنے کا پس منظر: امام ابن جریر طبری نے اس تفسیر کو جس شوق و محنت سے مرتب کیا اس کے بارے میں خود انہی کی زبان سے ایک روایت ملاحظہ ہو:

''ابو جعفر کا قول ہے کہ میں ابھی بچہ ہی تھا۔ تو میرے دل میں ایک تفسیر لکھنے کا خیال پیدا ہو گیا تھا ...... یہ تفسیر لکھنے سے پہلے میں نے خدا تعالیٰ سے استخارہ کیا اور اس کی ابتدا کرنے سے پہلے تین سال تک دعا مانگی، کہ میں نے جو کچھ نیت کر رکھی ہے، خدا مجھے اس میں مدد دے۔ خدا نے میری مدد فرمائی۔ (۳۳)

گو موجودہ صورت میں بھی ابن جریر کی یہ تفسیر جامعیت و مانعیت کے اعتبار سے جملہ تفاسیر پر غالب ہے اور اس میں اسناد و متون کی تمام تفصیلات مندرج ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ابن جریر کی اپنی نظر میں یہ تفسیر اس تفسیر کا اختصار ہے جو وہ از حد شرح و بسط سے لکھنے کے خواہش مند تھے۔ ابو بکر خطیب بغدادی نے اس تفسیر کے بارے میں حسب ذیل روایت درج کی ہے:

ابو جعفر الطبری قال لاصحابه أتنشطون لتفسیر القران ؟ قالوا: کم یکون قدره ؟ قال: ثلاثون الف ورقة فقالوا: هذا مما یغنی الاعمار قبل تمامه فاختصره فی نحو ثلاثه الاف ورقة :

ابو جعفر الطبری نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ کیا تمہیں قرآن کی تفسیر سے خوشی ہو گی؟ انہوں نے پوچھا۔ اس کا اندازہ کس قدر ہے؟ فرمایا۔ تیس ہزار ورق ساتھیوں نے کہا یہ تو اسی قسم کی چیزوں میں سے ہو گی جو اپنی تکمیل سے پہلے عمریں ختم کر دیتی ہیں، اس پر انہوں نے اسے تین ہزار ورق کے قریب مختصر کر دیا،، (۳۴)

ابن جریر نے اپنی تفسیر میں خود بھی کہیں کہیں لکھا ہے کہ میں طوالت سے بچنے کے لئے اختصار سے کام لے رہا ہوں،،۔

امام طبری کا اسلوب تفسیر:

محمد ابن جریر نے اپنی تفسیر کی ابتداء میں ایک خطبہ (مقدمہ) لکھا ہے یہ تفسیر پر ایک طویل

مقدمہ ہے۔ جس میں بتایا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ نے قرآن عزیز کو اعجاز، بلاغت اور فصاحت میں کیسے مخصوص کر دیا ہے۔ جس سے باقی سب کلام محروم رہے ہیں۔ پھر انہوں نے تفسیر کے مقدمہ میں کلام، تاویل قرآن کی وجوہ، جواز تفسیر کے ثبوت، اور حضور اکرم ﷺ کے ارشاد ''انزل القران علی سبعة احرف،، کی وضاحت ہے۔ اور ان لوگوں کا رد کیا ہے جو کہتے ہیں کہ قرآن میں کلام عربی کے علاوہ بھی کچھ اشیاء موجود ہیں۔ اس کے علاوہ مستند روایات سے قرآن اور سورتوں کے ناموں کی وضاحت کی ہے، پھر انہوں نے حرف بہ حرف قرآن کا مفہوم پیش کیا ہے اور صحابہ'' تابعینؒ تبع تابعینؒ وغیرہ کے اقوال کا ذکر کر کیا ہے۔ پھر کوفیوں اور بصریوں میں سے اہل اعراب کا کلام دیا ہے قراءتوں کے جملے ،مصادر، لغات، جمع تثنیہ وغیرہ میں قراءتوں کے اختلاف دیئے ہیں۔ پھر ناسخ و منسوخ اور احکام القرآن کا ذکر ہے۔ اور اہل بدعت نے ان کے بارے میں جو کچھ کہا سنا ہے، اس کا بھی ذکر کیا ہے۔ (۳۵) ابن جریر کی تفسیر کا انداز یہ ہے۔ کہ وہ قرآن کا کوئی لفظ یا آیت لے کر اس کی وضاحت و تشریح کے لئے احادیث نبوی، ارشادات صحابہؓ، اقوال تابعین، اقوال تبع تابعین، کی آراء علماء و مفسرین وغیرہ کو کام میں لاتے ہیں۔ اس کی تفسیر کا بیشتر حصہ مستند و معتبر ہے۔ تفسیر لکھتے ہوئے تفسیر عبدالرحمان بن زید بن اسلم، تفسیر ابن جریج، تفسیر ابن عباسؓ، تفسیر سعید بن جبیر، قتادہ، بن مسعود، اور تفسیر مقاتل بن حیان غیرہ کا ذکر کیا ہے (۳۶)

تفسیر طبری میں راویوں کے سلسلہ میں احتیاط:

امام طبری نے کوئی غیر موثوق چیز نہیں لی انہوں نے اپنی کتاب میں محمد بن سائب الکلبی، مقاتل بن سلیمان اور محمد بن عمر الواقدی وغیرہ سے کوئی چیز داخل نہیں کی کیوں کہ وہ ان کے نزدیک، اتہام زدہ تھے (۳۷)

لیکن اس کے برعکس تاریخ، سیر اور اخبار عرب میں انہوں نے محمد بن سائب الکلبی، اس کے بیٹے ہشام اور محمد بن عمر الواقدی وغیرہ سے حسب ضرورت روایات لے لی ھیں کیوں کہ ان موضوعات پر یہی لوگ ماخذ تھے (۳۸)

ابن جریر تفسیر کے راوی بے شمار ہیں۔ جن سے مکمل اسناد کے ساتھ حدیث کی روایات مذکور ہیں ۔ابن جریر کے کچھ راویوں کے بارے میں بعض ناقدین کو اختلاف ہے بقول امام ذھبی طبری نے اپنی تفسیر میں احادیث نبویہ کو مع اسناد نقل کیا ہے البتہ ہر سند کا اصول حدیث کی روشنی میں مکمل تعاقب نہیں کیا کہ کون سی صحیح ہے اور کون سی غلط ہے کون سا راوی کذاب ہے اور کون سا صادق ہے (۳۹)

یہ اس تفسیر کا کمزور پہلو تھا لیکن اب اس پر مستقل تحقیق شائع ہو چکی ہے رجال التفسیر الطبری جرحا و تعدیلا کے نام سے مصنف احمد شاکر و محمود شاکر مرتبہ محمد صبحی بن حسن حلاق دار ابن حزم بیروت 1999ء ۶۱۰/ صفحات اس میں تخریج احادیث اور آثار کے ساتھ اسانید کے رجال کا جائزہ بھی لیا گیا

رواۃ کی ابجدی ترتیب پر جمع کر دیگئی ھیں ہر رجال کو ذکر کر کے اس پر جو جرح یا تعدیل ہوئی مع حوالہ اسے نقل کر دیا کہ ثقہ ہے یا ضعیف ہے اس اعتبار سے اس میں ۲۹۴۳ رجال کا جائزہ سامنے آ گیا ہے اور تفسیر طبری کا ایک سقم (کمزوری) دور ہو گیا ہے۔

تفسیر طبری کی خصوصیات:

ابن جریر کی تفسیر کو غور سے دیکھنے پر معلوم ہوتا ہے کہ ان کی تفسیر پر علماء کا اتفاق ہے سبب نہیں ہے بلکہ وہ اپنی خصوصیات کے اعتبار سے اس فخر وشرف کی حقدار ہے۔عنوان بالا کے تحت مختصر طور پر ان کی تفسیر کی بعض خصوصیات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

پہلی خصوصیت۔تفسیری ذخیرہ کا جامع ہونا: ابن جریر نے قرآن کی ترتیب کے اعتبار سے پورے قرآن کی تفسیر کرنے کے ساتھ سب سے بڑا یہ کام کیا ہے کہ اپنے زمانے کے جملہ تفسیری ذخیروں کو اپنی تفسیر میں جمع کر کے ان کو زمانے کی دستبرد سے محفوظ کر دیا جو اس وقت تحریری یا تقریری طور پر موجود تھے۔ ابن عباسؓ، ابن مسعودؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، سفیان ثوریؒ وغیرہ مشہور مفسرین قرآن کے تفسیری اقوال زیادہ تر ابن جریر کی تفسیر کے ذریعہ سے پہنچے ہیں۔(۴۰) بعد میں یہ تفسیری اقوال مستقل مدون ہو کر بھی شائع ہو گئے ہیں۔(۴۱)

دوسری خصوصیت۔فقہی اجتھادات: عام طور پر لوگوں کا خیال ہے کہ ابن جریرؒ نے اپنی تفسیر کی بنیاد محض نقل روایات پر قائم کی ہے لیکن یہ رائے درست نہیں۔
انہوں نے صرف اس پر اکتفا نہیں کیا بلکہ مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد اپنے ذاتی اجتھاد سے بھی کام لیا ہے۔بعض اقوال کی توجیہ پیش کی ہے اور بعض کو بعض پر ترجیح دی ہے۔(۴۲)

تیسری خصوصیت۔تفسیری روایات: آپ نے روایت کے ساتھ درایت سے بھی کام لیا ہے اور یہ ان کی وہ خصوصیت ہے جس میں ان کے زمانے تک کوئی شخص ان کا مدمقابل نہیں ہے۔داؤد المالکی نے ''طبقات المفسرین'' میں لکھا ہے:

انه جمع بين الرواية والدراية ولم يشاركه فى ذالك احدلا قبله ولا بعده.

''کہ انہوں نے روایت اور درایت کو جمع کر دیا ہے اور اس سلسلہ میں ان سے پہلے اور ان کے بعد کوئی ان کا شریک نہیں''۔اور تفسیر بالرائے سے بچنے کی کوشش کی ہے۔(۴۳)

چوتھی خصوصیت۔علمی مباحث کے اعتبار سے جامع ہونا: ابن جریر نے دستور زمانہ کے خلاف ایک قدم اور آگے بڑھا کر یہ کارنامہ بھی انجام دیا کہ قرآن سے متعلق اس عہد تک کے تمام پیدا شدہ مبا

حث کو بھی اپنی تفسیر میں شامل کر کے اس کو اپنے عہد تک کا قرآنی دائرۃ المعارف (QuRanic EncycLopeadia) بنا دیا۔ چنانچہ قراءت، تجوید، صرف، لغت، فقہ، عقائد، ملحدین اور باطل فرقو ں کی تردید، علوم طبعیہ کے مسائل وغیرہ ان کی تفسیر میں صاف طور پر موجود ہیں جن کے پڑھنے سے اس زمانے تک کے انداز فکر کی پوری تصویر آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے۔ (۴۴)

پانچویں خصوصیت۔ انتخاب احادیث میں احتیاط: تفسیر ابن جریر کے حصہ، روایات کے سلسلے میں یہ امر ذہن نشین رہنا چاہئے کہ انہوں نے غیر مؤثر طریقوں سے روایات نقل نہیں کی ہیں۔ مثلاً محمد بن سائب الکلبی، مقابل بن سلیمان، محمد بن عمرو واقدی وغیرہ سے تاریخ، سیر اور اخبار عرب کے سوا اور کہیں ان سے روایات نہیں لی ہیں۔ کیونکہ مذکورہ موضوعات پر یہی لوگ ذریعہ تھے۔

لیکن چونکہ انہوں نے تفسیر کے جملہ ذخائر جمع کرنے کا عزم کیا تھا۔ اس لئے سند کی حیثیت سے ان کی روایات کے تمام طریقوں کو درست قرار نہیں دیا جا سکتا لیکن وہ طریقے بالکل کم قیمت بھی نہیں ہیں۔ یہ درست سہی کہ ان کی سند من وعن قابل اعتماد نہیں اور کسی حد تک ضعیف ومشکوک ہے۔ لیکن اس حقیقت سے انکار بھی نہیں ہو سکتا کہ اس ضعیف السند روایت میں بھی جو کچھ کہا گیا ہے، وہ اس آیت کے بارے میں اس زمانے کے کسی عالم کا خاص نتیجہ فکر ضرور ہے، جو قطعی طور پر نا قابل اعتبار بھی نہیں ہے۔

ابن جریر کی روایات پر حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں کہیں کہیں جرح کی ہے۔ خود ابن جریر نے بھی بعض جگہوں پر روایت کے ضعف کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔ (۴۵)

چھٹی خصوصیت۔ اختلاف قراءت کی بحث: اس کے بغیر معانی کی وسعت کو سمجھنا آسان نہیں ہے ہر چند یہ اختلاف تناقض یا تضاد نہیں تاہم احکام ومسائل کے استنباط میں اس کا اثر ضرور پڑتا ہے۔ اس لئے مفسر کی اختلاف قراءت سے واقفیت بہت ضروری ہے۔ ابن جریر اس فن میں خاص مجتہدانہ حیثیت کے مالک تھے۔ انہوں نے اپنی تفسیر میں تمام اختلافات قراءت کو نقل کیا ہے، نیز اس اختلاف قراءت سے مفہوم ومسائل کے تنو عات اور اختلاف پر بھی بحث کی ہے۔ سیاق وسباق اور دوسرے شواہد ودلائل سے ان میں سے کسی ایک کو ترجیح دی ہے۔ کبھی ایک ہی صحابی سے ایک ہی لفظ کے بارے میں دو تفسیریں منقول ہوتی ہیں اور اس اختلاف کی وجہ معلوم نہیں ہوتی ابن جریر اس اختلاف کا سبب یہ بیان کرتے ہیں کہ وہ قراءت کے اختلاف کی وجہ سے ہے۔ (۴۶)

ساتویں خصوصیت۔ صرف ونحو کی بحثیں: یعنی صرف ونحو کی بحث ہے ان قواعد کی ترتیب اہل زبان کے استعمال کے استقراء سے ہوئی ہے لیکن اس استقراء کے باوجود عرب کے استعمالات میں کچھ اعراب وتراکیب ایسی بھی ہیں جو قواعد مدونہ پر منطبق نہیں ہوتیں۔ ظاہر ہے کہ یہ اعراب وتراکیب غلط نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ اہل زبان کا استعمال ہے۔ جو کچھ سہو ہوگا، وہ یا تو قواعد مدونہ کے باعث ہوگا کہ ان میں استقراءِ تام سے کام نہیں لیا گیا۔ یا استقراءِ تام تو ہوا لیکن بعض اعراب وتراکیب اس استقراء سے پھر

بھی الگ رہیں ابن جریر کے زمانے میں یہ مشکلات نحو یہ پیش آ چکی تھیں ۔انہوں نے اپنی تفسیر میں ان پر تفصیل سے بحث کی ہے اور ان کا حل یوں پیش کیا کہ آیت متعلقہ میں علمائے صرف ونحو کے مذاہب بیا ن کر دیئے ہیں اور اس سلسلے میں علی بن حمزہ الکسائی ، یحی بن زیاد الفراء ابوالحسن الاخفش ،ابوعلی قطرب وغیر کی کتابوں سے استفادہ کیا ہے۔پھر انہوں نے یا تو ان مذاہب میں سے کسی ایک مذہب کو ترجیح دی اور اس ترجیح کو مدلل بیان کیا ہے اور اس آیت سے متعلق عرب کے دوسرے استعمالات کو نظیر کے طور پر پیش کیا ہے۔اس طرح مذاق عرب پر اس مشکل کا حل پیش کیا ہے(۴۷)

آٹھویں خصوصیت: فقہی احکام: امام طبری نہ صرف فقیہ تھے بلکہ فقہ میں انکی حثیت مستقل امام کی ہے یہی وجہ ہے تفسیر میں فقہی احکام بھی کثرت سے موجود ہیں بلکہ ابن جریر کی تفسیر کے وہ حصے بہت اہم ہیں جہاں انہوں نے آیت سے مسائل فقیہ کا استنباط کیا ہے۔آپ خود صاحب اجتہاد تھے اور دوسرے مجتہدین کے مذاہب سے پوری طرح باخبر تھے،اس لئے جو کچھ کہتے تھے،اس کا ایک خاص مقام ہے مثال کے طور پر آیت وصیت کو لیجئے سورۃ بقرہ میں ہے:

> کتب علیکم اذاحضراحد کم الموت ان ترک خیرن الوصیۃللوالد ین والاقربین بالمعروف حقا علی المتقین۔
>
> تم پر فرض کر دیا گیا ہے جب کسی کی موت نزدیک معلوم ہونے لگے اگر کچھ مال وراثت میں چھوڑا ہو تو والدین اور اقارب کے لئے معقول طور پر کچھ وصیت کر دی جائے۔اہل تقوی پر یہ چیز فرض ہے"۔

اس آیت کا منشا یہ ہے کہ مرنے والے پر، اگر اس کے پاس کچھ دولت ہو تو وصیت فرض ہے ۔عام مفسرین کا خیال ہے کہ یہ آیت سورۃ نساء کی اس آیت سے منسوخ ہے جس میں ورثاء کے حقوق خود قرآ ن نے مقرر کر دیئے ہیں۔ابن جریر کو اس نسخ سے اختلاف ہے،وہ کہتے ہیں نسخ تو اس حالت میں جائز ہوگا جب دونوں آیتوں میں اشتراک مفہوم ممکن نہ ہو۔لیکن یہاں یہ صورت نہیں ہے۔ان دونوں آیتوں میں اس طرح اشتراک ممکن ہے کہ آیت میراث کو عام ورثاء کے حق میں استعمال کیا جائے اور آیت وصیت کو ان وارثوں کے حق میں لیا جائے جن کو قانوناً حق میراث نہیں پہنچتا اور وہ ضرورت مند ہیں۔ابن جریر کو وجوب وصیت پر اس قدر اصرار ہے کہ وہ لکھتے ہیں: جس طرح قدرت کے باوجود روزے کا تارک گنہگا رہوگا،اسی طرح قدرت کے باجود وصیت سے غفلت کرنے والا بھی گنہگار ہوگا۔(۴۸)

امام طبری کے بیان کردہ فقہی احکام تفسیر سے الگ کر کے تحقیق وتخریج احادیث کے ساتھ شایع ہو چکے ہیں الاحکام الفقھیۃ لا امام الطبری جمع وتحقیق محمد حسن اسماعیل دار الکتب العلمیۃ بیروت ۲۰۰۰ء میں ۴۸۰ صفحا ت پر اس کتاب میں فقہی ابواب کی ترتیب پر احکام متفرقہ کو حسن ترتیب کے ساتھ جمع کر دیا ہے۔

نویں خصوصیت: علم کلام: یعنی عقائد کا قرآنی آیات سے استخراج ہے جن کو پڑھنے سے ابن جر

یری کی متکلمانہ حیثیت کا صحیح اندازہ ہوتا ہے ان کے بعض استنباطات تو اس قدر اہم ہیں کہ وہ آج تک مسلمہ ومتفقہ چلے آرہے ہیں مثلاً حضور اکرم ﷺ کی معراج کا مسئلہ اس اعتبار سے اختلاف آمیز رہا ہے کہ وہ معراج روحانی تھی یا جسمانی؟ اس سوال کا جواب مختلف علماء نے مختلف دیا ہے۔ لیکن اس سلسلے میں ابن جریر کی رائے نہایت واضح اور وقیع ہے۔ انہوں نے جو دلیل قائم کی ہے۔ اسے ایسا حسن قبول حاصل ہو اہے کہ ان کے بعد امام رازی علماء وفضلاء اس کو نقل کرتے چلے آئے ھیں ابن جریر کہتے ھیں کہ آیت اسراء میں قرآن نے ،بعبدہ،، کی ترکیب استعمال کی ہے۔

سبحان الذی اسری بعبدہ لیلا من المسجدالحرام الی المسجد الا قصی۔

وہ ذات پاک ہے جس نے اپنے بندے (محمد ﷺ) کورات کے وقت مسجد حرام (بیت اللہ) سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) تک سیر کرائی۔

اس آیت میں ''عبد'' کا لفظ بول کر اس سے محض ''روح'' مراد لینا کسی طرح قرین قیاس نہیں ہے، اس لئے یہ ماننا ضروری ہے کہ حضور ﷺ کو جسمانی معراج ہوئی تھی۔ (۴۹)

دسویں خصوصیت ۔ لغات القرآن: تفسیر میں قرآنی الفاظ امثلہ اور گرامر کی لغوی واصطلاحی تحقیقات میں امام صاحب باوجود عجمی ہونے کے عربی پر اس قدر قدرت رکھتے تھے آج اھل عرب کے لئے ان کی تفسیر ماٴخذ کی حیثیت رکھتی ہے (۵۰) ان لغات کو الگ بھی شائع کر دیا گیا ہے

یہ ''دقائق لغت القرآن فی تفسیر ابن جریر الطبری'' تصنیف الدکتور عبدالرحمٰن عمیرۃ کی دو جلدوں میں عالم الکتب بیروت سے ۱۹۹۲ء میں ۲۳۷ پرصفحات شائع ہوئی ہے مصنف نے امام طبری کی ۲۳۴ لغوی تحقیقات کو ابجدی ترتیب پر عمدہ حوالہ جات کے ساتھ جمع کیا ہے۔ امام طبری نے اپنی تفسیر میں لغوی تحقیق کا یہ اسلوب اختیار کیا ہے کہ کسی لفظ کی تحقیق اور وضاحت میں پہلے قرآن کی کسی دوسری آیت سے استشہاد کرتے ہیں پھر عرب شعراء کا کلام پیش کرتے ہیں اور اس قرانی ترتیب پر اگر کوئی گرائمر کے حوالہ سے اعتراض پیش آرہا ہو تو اسکی وضاحت سوال وجواب کے ذریعہ کرتے ہیں کتاب کے مصنف نے قدیم دیوان سے شعراء کے کلام کو تلاش کر کے اسکے حوالے بھی پیش کر دیے ہیں اور متعدد مقامات پر دیگر عربی ادب کے ماہرین کی تائیدی اور وضاحتی آرا بھی پیش کر دی ہیں۔

گیارہویں خصوصیت تفسیر کی مقبولیت ہے: اس تفسیر کو تمام تفاسیر کی ماٴخذ کی حیثیت حاصل ہے اس کا عربی سے فارسی، ترکی ترجمہ کر کے شائع کیا جا چکا ہے۔

تفسیر کا آغاز واختتام:-

امام طبری نے اس تفسیر کو ۲۸۳ھ میں لکھنا شروع کیا اور ۲۹۰ھ میں مکمل کیا۔ تفسیر کے بارے میں

اہل علم کی آراء: ابن جریر طبری کی تفسیر ایک انسائیکلوپیڈیا ہے بے شمار اہل علم نے اس کی تعریفیں کی ہیں جن میں سے چند یہ ہیں امام نووی نے فرمایا اس جیسی کوئی تفسیر نہیں لکھی گئی ہے (۵۱)

امام طبری کے شاگرد عبدالعزیز سے منقول ہے ابوعمر الزاہد جنھوں نے طویل عمر پائی (یہ ثعلب کے غلام تھے) آپ کا کہنا ہے کہ مجھے ایک آیت کی تفسیر کے سلسلے میں یہ کتاب دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ میں نے اس کتاب کو آغاز سے لے کر انجام تک دیکھا تو مجھے نحو یا لغت کی رو سے ایک حرف بھی غلط نہ مل سکا (۵۲) ابو حامد اللہ الاسفرائنی نے کہا ہے:

لوسافررجل الى الصين حتى يحصل على كتاب تفسير محمد ابن جريرلم يكن ذالك كثيرا (۵۳)

کہ اگر کوئی شخص ابن جریر کی تفسیر کو حاصل کرنے لئے چین تک سفر کرے تو یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے۔

ابن تیمیہؒ نے فرمایا یہ سلف صالحین کے مطابق ہے اس میں نہ تو بدعات ہیں اور نہ متھم راویوں کی روایات (۵۴) علامہ ابن الندیم نے اپنی مشہور کتاب الفہرست میں اس تفسیر کے بارے میں لکھا ہے۔

كتاب التفسيرلم يعمل احسن منه وقداختصره جماعته (۵۵)

ان کی کتاب التفسیر ایسی کتاب ہے کہ اس سے بہتر کوئی کتاب عمل میں نہیں آئی اور کئی لوگوں نے اس کا اختصار بھی کیا ہے۔

تفسیر طبری کے خلاصے: (۱) یہ اختصار دو جلدوں میں محمد علی صابونی اور الدکتور صالح احمد رضا نے مختصر تفسیر طبری کے نام سے کیا ہے (دار القرآن بیروت سے ۱۹۸۳ء میں ایک ہزار صفحات پر شایع ہوئی ہے) (۲) دوسرا اختصار ابی یحی محمد بن صمادح التجیبی (م ۴۱۹ھ) نے ایک جلد میں مختصر من تفسیر الامام الطبری کے نام سے کیا ہے اس میں تفسیر طبری کی لغات القرآن ہیں فقط (یہ دار الفجر الاسلامی بیروت سے ۱۹۸۴ء میں مروان سوار کی تحقیق کے ساتھ ۶۱۰ صفحات شایع ہوئی ہے) اسی کی دوسری طباعت الدکتور عدنان زرزور کی تحقیق کے ساتھ (مؤسسۃ الرسالۃ بیروت سے ۱۹۷۹ء میں ۴۸۷ صفحات پر شائع ہوئی ہے (۳) تیسرا اختصار احمد بن علی بن بیغجور المعروف بابن الاخشید معتزلی نے اختصار تفسیر الطبری کے نام سے کیا ہے (۵۶)

جہاں تک ان تفسیروں کا تعلق ہے جو لوگوں کے سامنے ہیں تو ان سب میں صحیح ترین محمد بن جریر الطبری کی تفسیر ہے کیونکہ وہ اس میں سلف کے اقوال صحیح سندوں کے ساتھ پیش کرتے ہیں اور اس میں کوئی بدعت نہیں اور آپ اتہام زدہ راویوں مثلاً مقاتل بن سلیمان اور الکلبی وغیرہ سے روایت نقل نہیں کرتے ہیں اور نہ تفسیر میں اپنی رائے کو داخل کرتے ہیں اس لحاظ سے یہ تفسیر ایک جامع تفسیر کہلائے جانے کی مستحق ہے۔

حواشی وحوالہ جات

(۱) طبقات الشافعیۃ الکبری ج ۳ص/۱۲۰(تاج الدین عبدالوھاب بن علی السبکی (۷۷۱ھ)مطبعۃ عیسی البابی الحلبی۔قاھرہ ۱۹۶۵ء)اور تذکرۃ الحفاظ ج ۲/ص ۷۱۰/(ابی عبداللہ شمس الدین الذھبی (۷۴۸ھ)داراحیاء التراث العربی بیروت)اور معجم الادباء ج/ ۱۸ص / ۱۴۰ (یاقوت بن عبداللہ الحموی (۶۲۶ھ)مطبعۃ المأمون قاھرۃ ۱۹۳۸ء)اور سیراعلام النبلاء ج ۱ص /۲۶۷ (حافظ محمد بن احمد الذھبی (۷۴۸ھ)مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۹۸۳ء)

(۲) اسے عموماً طاء کے زیر اور باء کے زیر یا جزم کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے مگر صحیح لفظ طبری ہے یعنی طاء اور باء کے زبر کے ساتھ ہے۔

(۳) الامام الطبری ص/۲۹ (الدکتور محمد الزحیلی دارالقلم دمشق ۱۹۹۰ء)

(۴) تاریخ بغداد ج/۲ص/۱۶۲ (ابی بکر احمد بن علی الخطیب البغدادی (۴۶۳ھ)مطبوعہ قاھرۃ ۱۹۳۱ء

(۵) معجم الأدباء ج/۱۸ص/۲۷

(۶) آپ ﷺ نے ایک صحابی جو خود بچے تھے انہیں مخاطب کر کے فرمایا:
یا ابو عمیر ما فعل النغیر دیکھئے صحیح البخاری ج/۵ حدیث ۲۲۹۱ (دارالقلم دمشق ۱۹۸۰ء) آپ کی کنیت ابوالقاسم تھی اور آپ کنیت رکھنے کو پسند فرماتے تھے۔حضرت ابوھریرہ کی کنیت ابوھریرہ آپ کی رکھی ہوئی ہے۔حالانکہ اس وقت ابوھریرہ خود بچہ تھے۔

(۷) الإمام الطبری ص/۳۰

(۸) تاریخ بغداد ج/۲ص/۱۶۲

(۹) معجم الادباء ج/۱۸ص/۴۰

(۱۰) ایضا

(۱۱) اسی وجہ سے بعض نے طبری کی جگہ آملی نسبت لکھی ہے بعض نے بغدادی نسبت بھی لکھی ہے اسلئے کہ محمد بن جریر زیادہ عرصہ بغداد میں رہے اور یہیں انتقال کے بعد دفن ہوئے لیکن طبری کی نسبت کو زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔

(۱۲) شیخ حوفی نے دوسری روایت کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی ہے کہ یہ پہاڑی علاقہ تھا اکثر یہ لوگ حالت جنگ میں رہتے اور اسلحہ جسے ''طبر'' کہتے ہیں ہر بچہ جوان اپنے پاس رکھا کرتا تھا اس مناسبت سے اس جگہ کا نام طبرستان ہوگیا دیکھئے الطبری ص/۲۵ (الدکتور احمد محمد الحوفی المجلس الأعلی للشئون الاسلامیۃ مصر ۱۹۷۰ء)

(۱۳) معجم الادباء ج/۱۸ص/۴۹

(۱۴) ایضا

(۱۵) ایضا

(۱۶) تاریخ التراث العربی ج/۲۱ص/۱۵۹ (الدکتور فؤاد سزکین مطبعۃ جامعۃ امام محمد بن سعود

ریاض ۱۹۸۳ء) اور طبقات الشافعیۃ الکبری ج/۳ ص/۱۲۰

(۱۷) معجم الادباء ج/۱۸ ص/۴۹

(۱۸) سنن دارمی کی روایت ہے جو کہ حضرت حسن کا اثر ہے فرمایا منھومان لایشبعان صنھوم فی العلم لایشبع منہ ومنھوم فی الدنیا لایشبع منہ یعنی علم اور دولت دو ایسی چیزیں ہیں جنکی پیاس نہیں بجھتی (دیکھئے ج/۱ ص/۱۹۶ ابی محمد عبداللہ بن عبدالرحمن الدارمی (۲۵۵ھ) مطبع احیاء السنۃ النبویۃ)

(۱۹) الامام الطبری للزحیلی ص/۳۹

(۲۰) الطبری للحوفی ص/۳۵

(۲۱) معجم الادباء ج/۱۸ ص/۵۱

(۲۲) طبقات القراء ج/۲ ص/۱۰۷ (محمد بن محمد الجزری (۸۳۳ھ) دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۹۸۰ء) اور معجم الادباء ج/۱۸ ص/۵۲ اور الطبری للحوفی ص/۳۳

(۲۳) الطبری للحوفی ص/۳۴

(۲۴) الامام الطبری للزحیلی ص/۴۰-۴۳

(۲۵) الطبری للحوفی ص/۶۹-۷۳

(۲۶) الامام الطبری للزحیلی ص ۵۰-۵۳ ڈاکٹر رضوان علی ندوی نے کتابوں کی تعداد ۲۶ لکھی ہے۔ (دیکھئے تحقیقات و تاثرات ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی ادارہ علم و عرفان کراچی ۲۰۰۰) ص/۱۵۵ مگر موصوف نے نامکمل ماخذ کا حوالہ دیا ہے زحیلی کی مذکورہ تحقیق زیادہ صحیح ہے۔ مزید دیکھیں الطبری للحوفی ص/۵۷ پر ۲۸/ کتب بیان کی گئی ہیں۔

(۲۷) معجم الادباء ج/۱۸ ص/۴۴ خطیب بغدادی کی روایت کے مطابق چالیس سال میں ہر روز چالیس صفحات لکھے ہیں دیکھئے تاریخ بغداد ج/۲ ص/۱۶۳ اور الطبری للحوفی ص/۵۷ لیکن ڈاکٹر رضوان علی نے قدیم سوانح نگاروں کیحوالہ سے لکھا ہے کہ ہر روز ۸۰ صفحات لکھا کرتے تھے مگر یہ قدیم سوانح نگار کون ہیں کوئی حوالہ نہیں دیا اور نہ باوجود جستجو کے یہ حوالہ مجھے نظر آیا ہے (دیکھئے تحقیقات و تاثرات ص/۱۵۵)

(۲۸) الامام الطبری للزحیلی ص/۳۳

(۲۹) تاریخ بغداد ج/۲ ص/۱۶۶ اور معجم الادباء ج/۱۸ ص/۴۰ اور وفیات الأعیان ج/۳ ص/۳۳۲ (ابی العباس احمد بن محمد بن خلکان مطبعۃ السعادۃ مصر ۱۹۴۸ء)

(۳۰) تاریخ بغداد ج/۲ ص/۱۶۶

(۳۱) البدایۃ والنہایۃ ج/۱۱ ص/۱۴۷ (ابی الفداء ابن کثیر (۷۷۴ھ) مکتبۃ المعارف بیروت ۱۹۶۶)

(۳۲) وفیات الاعیان ج/۳ ص/۳۳۲ آج بھی یہی بات ہر شخص سیکھی جاتی ہے خود میرا بھی اپنے جامعہ ازھر میں قیام کے دوران جانا ہوا تو مجاوروں نے ایک قبر کے بارے میں یہی بتایا تھا کہ یہ طبری کی مزار ہے اسیطرح وہاں اور بھی بہت سی جھوٹی قبریں ہیں خاص کر جامعہ ازھر کے سامنے مسجد زینب میں راس حسین کی مزار ہے یہ بھی اسی طرح جھوٹی روایت ہے

(۳۳) الاتقان فی علوم القرآن ج/۲ص/۱۰ (جلال الدین السیوطی (۹۱۱ھ) مطبعۃ المشہد الحسینی قاہرۃ ۱۹۶۷ء)

(۳۴) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام طبری کے ذہن میں اس سے بھی زیادہ تفصیلی تفسیر لکھنے کا پروگرام تھا۔

(۳۵) جامع البیان عن تاویل آی القرآن ج/۱ (محمد بن جریر الطبری مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی مصر ۱۹۵۴ء

(۳۶) معجم الادباء ج/۱۸ص/۶۴ اور الامام الطبری للزحیلی ص/۱۰۲

(۳۷) الامام الطبری للزحیلی ص/۱۰۳

(۳۸) ایضا

(۳۹) التفسیر والمفسرون للذھبی ج/۱ص/۲۰۴۔۲۰۸

(۴۰) الطبری للحوفی ص/۱۰۱

(۴۱) مثلاً تفسیر سفیان الثوری امام بن عبداللہ سفیان کی، تفسیر سفیان بن عیینہ مرتبہ احمد صامحاری، تفسیر النسائی عبدالرحمٰن النسائی کی۔ تفسیر القرآن عبدالرزاق ابن ھمام الصنعانی، تفسیر الحسن البصری مرتبین دکتور عبدالرحمٰن ودکتور شیر علی شاہ۔ مرویات ام المؤمنین عائشہ میر تبہ دکتور سعود بن عبداللہ۔ مرو یات مالک بن انس، محمد بن رزاق اور تفسیر ثعالبی وغیرہ۔

(۴۲) الامام طبری للزحیلی ص/۱۳۴۔۱۳۵

(۴۳) ایضاص/۱۲۴۔۱۲۷

(۴۴) ایضاص/۱۳۷۔۱۳۸

(۴۵) ایضاص/۱۳۴۔۱۳۵

(۴۶) الطبری للحوفی ص/۱۰۲ اور الطبری للزحیلی ص/۱۳۳

(۴۷) الامام الطبری للزحیلی ص/۱۲۸۔۱۲۹

(۴۸) ایضاص/۱۳۴۔۱۳۵

(۴۹) ایضاص/۱۳۷

(۵۰) الطبری للحوفی ص/۱۱۲

(۵۱) لم یصنف احد مثلہ دیکھئے تہذیب الاسماء ج/۱ص/۷۸ (محی الدین بن شرف النووی (۶۷۶ھ) دار الکتاب العلمیۃ بیروت)

(۵۲) الامام الطبری للزحیلی ص/۱۰۸

(۵۳) معجم الادباء ج/۱۸ص/۴۲ اور طبقات الشافعیۃ الکبری ج/۳ص/۱۲۳

(۵۴) مجموع الفتاوی الکبرج/۱۳ص/۳۶۱ (تقی الدین احمد بن عبدالحلیم بن تیمیہ (۷۲۷ھ) مطبعۃ الریاض ۱۳۸۱ھ)

(۵۵) الفہرست ص/۳۲۶ (ابن الندیم محمد بن اسحٰق (۴۳۸ھ) دار المعرفۃ بیروت)

(۵۶) الامام الطبری للزحیلی ص/۱۱۵